تھیوری کا تانیثی تناظر اور پاکستانی اردو نظم کی شاعرات

تابندہ سراج
پی ایچ ڈی اسکالر (اردو)
ادارہ زبان و ادبیات اردو، جامعہ پنجاب لاہور

FEMINIST PERSPECTTIVE OF THEORY
AND PAKISTANI URDU POETESSES

Tabinda Siraj
PhD Scholor (Urdu)
IULL, Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Feminist movement had its impact on literature besides social, economic, political and psychologcal sciences. Several contradictory theories came forword in the western literature with reference to this movement. The female Urdu Pakistani poets have also got impacted by feminist theories. They have written within the context of these theories and discussed the economic, social and cultural changes taking place at local and international level. After the creation of Pakistan, feminist self conciousness appeared as a dominant trend in the poetry of almost all the female Urdu poets. The study of changing feminist consciousness in female Urdu poets of Pakistan has been helpful in understanding the artistic, intellectual and stylistic changes taking place in Urdu nazm/poetry.

Keywords:

تھیوری، تانیثی تناظر، اردو، نظم، فلسفہ، ورجینا وولف، بیٹی فرائیڈن

طاقت کے کھیل نے طبقاتی تضاد کو پیدا کیا ہے۔ اس کے ساتھ مرد اور عورت کو بھی دو الگ خانوں میں تقسیم کر کے مرد کو عورت پر برتری کا احساس دلایا ہے۔ یہ احساس دوسری جانب عورت کی کم تری سے مشروط تھا۔ مرد کا عورت پر برتری کا یہ تصور دو اولین وجوہات پر مبنی تھا، اول: عورت، مرد سے جسمانی طاقت میں کم ہے۔ دوم: عورت مرد سے عقل و دانش اور فہم و فراست میں کم درجے کی حامل ہے۔ یہ سمجھا جاتا رہا کہ عورت، مرد کی معاون ہے۔ معاونت کے اس تصور سے عورت کی کم تری زیادہ ابھر کر سامنے آئی جس کا اصل مدعا یہ تھا کہ عورت خود کچھ نہیں اس کی بقا مرد کے سائے میں ہی ممکن ہے۔ عورت کے مقابلہ میں مرد کی برتری کا یہ تصور عورت کو مرد کے مقابل مساوی حقوق دینے سے قاصر رہا۔ عورت کو مرد کے برابر حقوق دلانے کا یہ خیال، تصور اور نظریہ تانیثی فکر کہلایا۔ تانیثیت کی کئی تعریفیں سامنے آئی ہیں:

تانیثیت کو مختصر طور پر دیکھا جائے تو اس کی تعریف انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے مطابق:

"فیمنیزم ایک سماجی تحریک ہے جو عورتوں کے مساوی حقوق کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔"(۱)

اور:

"تانیثیت نہ صرف ایک نظریاتی وابستگی ہے بل کہ ایک سیاسی تحریک بھی ہے جو خواتین کے لیے انصاف کے حصول اور معاشرے سے صنفی امتیازات کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے۔"(۲)

مندرجہ بالا تحریریں یہ بات واضح کرتی ہیں کہ تانیثیت ایک فلسفہ حیات اور انداز فکر کا نام بھی ہے اور ایک عملی تحریک بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان دونوں نکات کے پس پشت نہ تو کوئی اکیلا فلسفہ یا نظریہ اور نہ ہی کوئی باقاعدہ منظم تحریک کی جدوجہد نظر آتی ہے۔ اسی طرح بعض کے مطابق تانیثیت دراصل کوئی ایک تحریک یا نظریہ کا نام نہیں ہے بل کہ متعدد تحریکات اور نظریات کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا اس مقصدیت اور شعور کے دو رخ قرار پائے پہلا فلسفیانہ یا نظریاتی رخ اور دوسرا رخ عملی کوششوں کا آغاز، جو ایک رجحان کی صورت میں ہوا۔ اس رجحان کا آغاز مغرب سے ہوا۔ انگلینڈ سے تعلق رکھنے والی خاتون میری وال سٹون کرافٹ (Mary Wollstonecraft) نے ۱۷۹۲ء میں (A Vindication of Rights of Woman) نامی کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں عورت کی

تعلیمی پسماندگی کو موضوع بنایا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ عورت کے لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ تانیثی فلسفے میں اس کتاب کو اولیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں عورت کو تعلیم کے بغیر جانور اور کھلونے سے مماثل قرار دیا گیا۔ اگر خدا کی نظر میں مرد اور عورت برابر ہیں تو دونوں کو یکساں تعلیمی حقوق بھی حاصل ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد دوسری کتاب (The Subjection of Women) ۱۸۶۹ء میں سامنے آئی۔ کتاب کے مصنف جان اسٹورٹ مل (John Sturart Mill) نے عورت کی معاشی، جنسی اور تعلیمی برابری کو موضوع بنایا کہ اس کے بغیر وہ غلام کی طرح ہے۔ تانیثی تحریک کی ابتدا کرنے والے ان دونوں مصنفین کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ اس طرح اٹھارہویں صدی میں تانیثی فلسفے کی ابتدا برطانیہ سے ہوئی اور تانیثی رجحان نے اپنی بنیاد مارکسی اور اشتراکی اصولوں پر قائم کی۔ امریکہ میں اس رجحان کا آغاز مارگریٹ فلر (Margaret Fuller) کی کتاب (Women in the Nineteenth Century) سے ہوا۔ کتاب کی اشاعت ۱۸۴۵ء میں ہوئی۔ فلر نے اس کتاب میں عورت کی خود مختاری اور انفرادی حیثیت کو تسلیم کروایا ہے۔

اسی طرح انگلینڈ کی دیگر خواتین مصنفین میں ربیکا ویسٹ (Rebecca West) اور ورجینیا وولف (Virginia Woolf) کی تنقیدی سوچ نے خواتین مصنفین کی تحریروں کا ادبی مرتبہ متعین کیا۔ دونوں ناقدین نے اپنے مضامین سے مرد اساس معاشرے میں عورت کے معاشی اور سماجی مسائل کو نمایاں کیا۔ ورجینیا وولف کا طویل مضمون کتابی صورت میں شائع ہوا۔ تانیثی فکر کے حوالے سے یہ کتاب نہایت اہم سوالوں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں سوال اُٹھایا گیا ہے کہ ادب میں خواتین مصنفین کی تعداد اتنی کم کیوں ہے؟ عورتوں کے لیے لکھنے کا عمل مشکل کیوں رہا؟ اور انھیں کیوں فراموش کیا گیا؟ ان بنیادی سوالوں نے اس کتاب کو تانیثی تنقید میں اوّلین مقام دلوایا ہے۔

اگر تانیثیت کے علمی رخ کی بات کی جائے تو سب سے پہلے یورپ میں پیدا ہونے والی تانیثی تحریکیں سامنے آتی ہیں۔ یورپ میں تحریک تانیثیت کو عموماً نظریہ لہر کے ذریعے اجاگر کیا گیا۔ پہلی لہر کا دورانیہ اٹھارویں صدی کے آخر سے لے کر بیسویں صدی کے نصف اول کا ہے۔ اس تحریک میں عورتوں کے بنیادی حقوق کے نظریہ کو اجاگر کیا جاتا ہے جس میں بیوی کے حقوق، ملازمت میں یکساں اجرت، جائداد، ملکیت اور ووٹ جیسے حقوق شامل ہیں۔

اسی تھیوری کے تحت اٹھارہویں صدی سے شروع ہونے والے اس رجحان نے بیسویں صدی میں باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ امریکہ کی سب سے موثر تحریک کے طور پر تحریک نسواں لبرل (Libral National Organisation of Women) نے اپنا کردار ادا کیا۔ خواتین کو معاشرے میں مساوی حقوق دلوانے کی کوششیں کی گئیں اور متعین کردہ اہداف بھی پورے ہونے لگے۔ اس سلسلے میں امریکہ میں ۱۹۲۰ء میں پہلی مرتبہ عورت ووٹ دینے کا حق دار قرار پائی۔

دوسری لہر کی عملی صورت بیسویں صدی کی پانچویں دہائی سے لے کر آٹھویں دہائی تک محیط ہے۔ اس عرصے میں خواتین کے گھریلو اور نجی مسائل کو سیاسی مسائل قرار دیا گیا۔ اسی دور میں ''آزادی نسواں'' کا تصور بھی ابھر کر سامنے آیا۔ اس تھیوری میں عورت کے نجی معاملات کے اوپر سوالات اٹھائے گئے جن میں گھریلو کاموں، بچوں کی ولادت اور تربیت وغیرہ اور گھر میں بزرگ لوگوں کی خدمت جیسے کاموں کی قدر و قیمت متعین کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اس تھیوری کے حوالے سے خاص طور پر ۱۹۶۰ء کے بعد تانیثیت کی دوسری لہر کا آغاز ہوا۔ بیٹی فرائیڈن (Betty Frieden) کی کتاب (The Feminine Mystique) نے تانیثی فکر کو نیا زاویہ دیا۔ اس نے عورت کے ناخوش ہونے کے احساس کو بیان کیا۔ فرائیڈن کا کہنا ہے کہ عورت اپنے اندر کی آواز کو نظرانداز نہیں کر سکتی۔ اس کو شوہر، بچوں اور گھر کے علاوہ بھی بہت کچھ درکار ہے۔

یہ ایک متنازعہ کتاب رہی مگر تانیثیت کی بحث کے نئے در کھولنے میں کام یاب ہوئی۔ جنگ عظیم دوم کے بعد تانیثی تحریک میں نہایت تیزی دیکھنے میں آئی۔ فرانس سے تعلق رکھنے والی خاتون فلسفی سیمون دی بوائر (Simone de Beauvoir) نے ۱۹۴۹ء میں (The Second Sex) نامی کتاب لکھ کر عالم گیر شہرت حاصل کی۔ اُس نے اس کتاب میں عورت کی معاشی اور ثقافتی حیثیت کو اپنا موضوع بنایا۔ کتاب کی بنیاد عورت کے وجود پر رکھی گئی ہے کہ عورت کا وجود قائم بالذات ہے یا اضافی؟ سیمون دی بوائر کی دوسری کتاب (Women: Myth & Reality) میں عورت کا علیحدہ وجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کا جملہ ''عورت پیدا نہیں ہوتی بن جاتی ہے'' وجودی اور نفسیاتی نسائیت کا نقطہ خاص بن گیا۔

اسی طرح امریکی مصنفہ اور نقاد میری ایلمن (Mary Elllmann) کی کتاب (Thinking About Women) میں مختلف مضامین کی صورت میں برطانوی اور امریکی ادب

میں تانیثی شعور کے ارتقا کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں ان صنفی امتیازات کی بات کی گئی ہے جو تحریر یا تنقید کو جنس کے حوالے سے قیاسی یا دقیانوسی بناتے ہیں۔

تانیثیت کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اسی تھیوری کے حوالے سے ایک اور امریکی فیمنسٹ مصنفہ اور نقاد کیٹ ملٹ (Kate Millett) نے ۱۹۷۰ء میں "Sexual Polities" نام کی کتاب میں جنسی حوالے سے عورت کی آزادی اور خود مختاری کی بات کی۔ جوڈتھ فیٹرلی (Judith Fetterley) انیسویں اور بیسویں صدی کے ادب میں نسائی تحریروں میں تعین نو کے حوالے سے جانی جاتی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں چھپنے والی کتاب (Resisting Reader) امریکی ادب کے حوالے سے ان کے تانیثی نقطہ نظر کو واضح کرتی ہے۔

۱۹۷۷ء ہی میں ایلن شوالٹر (Elaine Showalter) کی کتاب " A Literature of their own" میں بھی ادب میں عورت کے کردار اور خواتین مصنفین کے تانیثی شعور کے حوالے سے بات کی گئی۔ دراصل ۱۹۷۰ء کے بعد مغرب میں تانیثیت کی تیسری لہر کا آغاز ہو چکا تھا جو آج تک جاری ہے۔ تیسری لہر کی تھیوری میں کئی نفسیاتی اور نظریاتی مباحث سامنے آئے۔ اس دور میں متعدد مصنفین اپنی کتب میں تانیثیت کے تضادات اور ابہامات کو زیر بحث لائے۔ اس لہر نے ادب میں خواتین کی شناخت کے حوالے سے آواز اٹھائی اور یہ سوالات اٹھائے کہ ادب میں خواتین مصنفین کا حصہ اتنا کم کیوں ہے؟ اور اگر مرد کسی عورت کے حوالے سے تحریر کرتا ہے تو کیا وہ اس کی بھرپور نمائندگی کر سکتا ہے؟ کیا عورت کے مسائل اور ان کی ذات کو بہتر طور پر ایک عورت ہی پیش کر سکتی ہے؟ تیسری لہر میں اس تھیوری میں تانیثی تنقید پر کئی اہم کتابیں تحریر کی گئیں۔ ان کتابوں میں پیٹریسیا میر سپیکس (Patricia Mayer Spacks) کی (The Female Imagination) (۱۹۷۵ء) اور ایلن موئیرز (Ellen Moers) کی (Literary Women) (۱۹٦۷ء) امریکی اور فرانسیسی نظریات پر تنقیدی اعتبار سے مستند ہیں۔

مغرب کی تانیثی تحریک نے مختلف نظریاتی مباحث کے ذریعے تانیثیت کے تضادات اور ابہام کو موضوع سخن بنایا۔ اس طرح تانیثیت کی تیسری لہر کے زیر سایہ دنیا کے مختلف ممالک میں بہت سے مصنفین اور ناقدین تانیثی تحریک کے کئی مسائل موضوعات اور اصطلاحات کو زیر بحث لائے اور یہ موضوعات وسیع مفہوم رکھتے ہیں۔ ان میں اختلافات کا سامنے آنا ایک حقیقی امر ہے۔ اسی وجہ سے کہ

نظریاتی اور نفسیاتی اعتبار سے تانیثیت کی کئی شاخیں اور تھیوریاں مختلف ادوار میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ بعض حلقوں کے خیال میں تانیثیت کی کوئی ایک تھیوری نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اس پدر سری معاشرے میں عورتوں پر جبر واستبداد کی مختلف وجوہات ہیں۔ تمام حالات و واقعات کے پیش نظر تانیثیت کو اپنے اپنے طور پر سمجھنے کی کوششیں ہوئیں۔ یہ سب نظریات اور تھیوریاں ضروری نہیں کہ ایک دوسرے سے متصادم بھی ہوں، ان چند تھیوریوں کے نام یہ ہیں۔

آزاد خیال تانیثیت پسندوں کا خیال ہے کہ تانیثیت کا تعلق تنگ نظری سے نہیں بل کہ آزاد خیالی کی مدد سے کام یاب ہو سکتا ہے لہٰذا اس تھیوری کے تحت تحریک کا رخ مردوں کے خلاف نہیں بل کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کی یک جہتی کی طرف مائل ہونا چاہیے، ایسے ہی آزاد خیال تانیثیت پسند عورتوں کے حقوق مرد کے برابر کرنے میں کوشاں رہے۔مارکسی تانیثیت (Marxist Feminism) پسند عورت کے استحصال اور احساس جبر کا رشتہ مارکسی نظریات سے ملاتے ہیں۔ان لوگوں کے نظریہ کے مطابق عورتوں کی محکومی کا معاملہ حقیقت میں ایک اقتصادی مسئلہ ہے اسی طرح دولت کی غیر منصفانہ تقسیم معاشرے میں طبقاتی نظام کو جنم دیتی ہے۔ان کے نزدیک اگر سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام ختم کر دیا جائے تو یہ طبقاتی نظام خود بہ خود ختم ہو سکتا ہے اور اسی بنا پر مرد اور عورت کے امتیازات ختم ہو سکتے ہیں۔بنیاد پرست (Redical Feminism) مارکسی تھیوری پسندوں کے برعکس یہ عورتوں کی پسماندگی کے لیے طبقاتی یا سرمایہ دارانہ سسٹم کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتے۔ چوں کہ عورتوں پر ظلم اور جبر کی روایت بہت پرانی ہے لہذا یہ مرد غالب سوسائٹی ہی عورتوں کے لیے ظلم و جبر کی ذمہ دار ہے۔اُن کا ماننا ہے کہ مرد اور عورت کا فرق نہ تو حیاتیاتی بنیاد ہے اور نہ ہی اس کا تعلق جسمانی ساخت سے ہے۔ یہ امتیاز صرف اور صرف تہذیبی بنیادوں پر ہے۔ لہذا وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ تہذیب کے بنیادی ڈھانچے کو ہی سرے سے تبدیل کر دیا جائے نفسیاتی تانیثیت (Psychoanalytic Feminism) کے نظریے کے زیر اثر لوگ اپنے نام کے عین مطابق فرائیڈ کے جنسی اور نفسیاتی نظریات کے پیروکار ہیں۔اس تھیوری میں جنسی حوالے سے عورت کی آزادی اور خود مختاری کی بات کرتے ہیں۔

وجودی تانیثیت (Existentialist Feminism) تھیوری میں عورت کا علیحدہ وجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے خیال میں مرد اپنی مردانگی اور عورت کو اپنی نسائیت

ثابت کرنے کی بہ جائے انسانیت کو ثابت کرنا چاہیے۔ وجودی تانیثیت کی تھیوری سیمون دی بوائر کی عطا سمجھی جاتی ہے۔ اس کا ایک جملہ خاص ہے کہ عورت پیدا نہیں ہوتی بن جاتی ہے۔ اس نظریے میں عورت کی آزادی وجودی فلسفے سے تعبیر کرتے ہیں۔

مابعد جدید تانیثیت(Post Modern Feminism) تھیوری نے تشخص اور وجود کی ہمہ جہتی، تنوع اور تکثیریت پر زور دیا ہے جیسا کہ بنیاد پرست تانیثیت کا سارا زور منفی تفریق کے ارد گرد گھومتا ہے اور آزاد خیال ''مساوات کی تلاش'' پر زور دیتی ہے لیکن مابعد جدید تانیثیت ان دونوں تھیوریوں سے ہٹ کر یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ تفریق کی اندرونی اور داخلی صورت حال کو مذکورہ دونوں نظریات نے نظر انداز کیا ہے اس لیے مابعد جدید تانیثیت داخلی تفریق پر خصوصی توجہ مبذول کرواتی ہے۔ اس تھیوری کے مطابق عورت اپنے اندر کی آواز کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

اردو میں بھی تانیثی تحریک کے اثرات پڑے اور ادب میں اس حوالے سے نئے نظریات اور مباحث نے جنم لیا۔ حقوق نسواں سے آزادی نسواں اور اور پھر تنقیدی تھیوری کا رخ اختیار کرنے والی تانیثی فکر نے اُردو ادب میں نسائی شعور کی شناخت کے لیے آواز اٹھائی۔ قیام پاکستان کے بعد تانیثی فکر کے باقاعدہ اور بھرپور اثرات تو ۱۹۶۰ء کے بعد اُردو ادب میں دیکھنے میں آئے۔ اُردو نظم کے حوالے سے دیکھا جائے تو مولانا الطاف حسین حالی (۱۹۱۴۔۱۸۳۷ء) نے سب سے پہلے تانیثی انداز فکر کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔ ''چپ کی داد'' اور ''مناجات بیوہ'' اس کی بہترین نمائندہ ہیں۔

حالی نے اپنی نظموں میں عورت کی غیر روایتی تصویر پیش کی۔ اس سے پہلے کلاسیکی اُردو نظم میں عورت ایک جنسی استعارے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ دراصل مرد نے عورت کو اپنے نظریے اور عقائد کے مطابق پیش کیا۔ عورت بہ طور صنف اپنا الگ وجود رکھتی ہے۔ اس کی سوچ، نظریات اور عقائد مرد سے مختلف ہیں۔ اس کے معمولات زندگی اور زندگی کو دیکھنے اور اس کو گزارنے کا انداز اور طریقہ کار بھی مرد سے الگ ہے۔ تانیثی فکر سے مراد عورت کے بارے میں لکھے گئے ادب کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ دو طرح کا ہے، ایک تو مرد کی طرف عورت کے بارے میں لکھا گیا ادب اور دوسرا عورت کا عورت کے بارے میں لکھا گیا ادب۔ اُردو نظم میں محض نسوانی رشتوں، تلازمات اور محاورات کا بیان کسی تانیثی فکر کو متعین نہیں کر سکتا بل کہ ان نسوانی سہاروں سے نسائیت کا انفرادی تشخص اور حسی امتیازات تک رسائی تانیثی فکر کا خاصہ ہے۔

کلاسیکی اُردو نظم کے اوّلین نقوش تذکروں کی صورت میں موجود ہیں۔ اُردو کی خواتین شاعرات کاذکر محمد جمیل احمد ایم۔اے بریلوی اپنی کتاب ’’تذکرہ شاعرات اردو‘‘ میں تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں خواتین شاعرات کے دو سکول قائم کیے ہیں۔ ا۔ شاعرات اُردو کا دہلی سکول اور ۲۔ شاعرات اُردو کا لکھنو اسکول۔ نصیر الدین ہاشمی اپنی کتاب ’’خواتین دکن کی اُردو خدمات‘‘ میں ماہ لقا بائی چندا کو اُردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ قرار دیتے ہیں۔ اُردو نظم کے حوالے سے تاریخ میں ابھی تک کسی بڑی صاحبِ فکر شاعرہ کا سراغ نہیں ملا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے اُردو زبان و ادب پر مختلف تحریکوں اور جدید ادب کے اثرات پڑنے سے فکر کے زاویے تبدیل ہونے لگے۔ اس دور میں خواتین شاعرات نے اپنا فنی مرتبہ تسلیم کروایا۔ اس سلسلے میں ز۔ خ۔ ش (زاہدہ خاتون شروانیہ) (۱۹۲۲۔۱۸۹۴ء) پہلی نظریہ ساز اردو شاعرہ کے طور پر سامنے آئیں۔

انھوں نے اپنا نام پوشیدہ رکھا اور ز۔ خ۔ ش کے مخفف سے معروف ہوئیں۔ ان کی نظموں میں عصری شعور اور نسائی لطافت دونوں عناصر اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سیاسی اور سماجی حوالے سے تانیثی فکر دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن نے اپنی کتاب ’’ز خ ش۔ حیات و شاعری کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ‘‘ میں ان کی شاعری کے حوالے سے تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر فاطمہ حسین لکھتی ہیں:

> ’’ز۔خ۔ ش نے پابندی کے ڈر سے اپنی شناخت نہ صرف قارئین بل کہ اپنے والد سے بھی پوشیدہ رکھی۔ ان کو زیادہ تر لگاؤ نظم نگاری سے تھا۔‘‘(۳)

تانیثی فکر کے حوالے سے ان کی نظم ’’تصادم رواج و شرع‘‘ گہری معنویت کی حامل ہے۔ اس نظم میں انھوں نے والدین کی میراث میں ترکہ نہ دیے جانے کے بارے میں احتجاج اور مردانہ خود غرضی کو موضوع بنایا ہے:

خود کام چاہتے ہیں کہ پائے رواج فتح
شرع محمدی ﷺ کو ہو رن میں شکست آج
رائج ہو زن کو ترکہ نہ ملنے کی رسمِ بد
ہو فیصلہ شریعتِ حقہ کا مسترد(۴)

فرض ٹھیرا عورتوں پر علم مردوں کی طرح
گو عرب انوارِ علمیّہ کا گورستان تھا(۵)

خواتین کے حال زار پر ان کی مسدس ''آئینہ حرم'' نہایت مقبول اور اہم ہے۔اس کے علاوہ نظمیں ''حقائق'' اور ''رقائق'' عورت کی انفرادیت اور تشخص کی جست جو میں اہم حوالہ ہیں۔

پاکستانی شاعرات میں سب سے پہلا نام ادا جعفری(۲۰۱۵۔۱۹۲۴ء) کا ہے۔ادا جعفری کو حمایت علی شاعر نے اُردو شاعری کی خاتون اول قرار دیا ہے۔اُردو نظم نگاری ان کا طرہ امتیاز ہے۔اُردو نظم میں نسائی جذبات واحساسات اور کومل لفظوں کو سمونے والی شاعرہ ادا جعفری کے ہاں تانیثی فکر موجود ہے۔ان کا پہلا مجموعہ کلام ''میں ساز ڈھونڈتی رہی'' قیام پاکستان کے بعد شائع ہوا۔جدید اُردو نظم کی تانیثی تفسیر کی ابتدا کرنے والی شاعرہ ادا جعفری ہیں۔ان کی شاعری ترقی پسندانہ خیالات کی عکاس ہے۔ادا جعفری کے کلام میں ارتقائی کیفیت موجود ہے۔ان کی ابتدائی شاعری میں حساس موضوعات اور لطیف جذبات موجود ہیں اور آخری دور کی شاعری میں فکر وفن کی بالیدگی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔انھوں نے پہلی مرتبہ اُردو شاعری میں صیغہ مونث استعمال کیا۔ان کے ہاں رومانوی انداز بھی نظر آتا ہے۔خاص طور پر جب وہ نسائی جذبات اور واردات قلبی کو اپنی نظموں میں بیان کرتی ہیں۔ان کے ہاں عورت اپنی مشرقیت،حیااور تقدس کا پاس لیے ہوئے ہے۔

ادا جعفری عورت کو ذہنی اور حسیاتی طور پر پسماندہ اور مفلوج دیکھے جانے کے رویے کے خلاف آواز اُٹھاتی ہیں۔ان کی نظم ''ماں'' میں نسوانی احساس کی شدت اور درد کی رو ملاحظہ ہو:

اور سرگوشیاں کرتا ہے یہ ممتا کا جنوں
کٹ ہی جائے گا شب تار کا ایک روز فسوں(۶)

ممتا کا احساس ادا جعفری کی شاعری کی اساس ہے۔''اس کو نزدیک آنے نہ دو''، ''شجر نازاں''، ''جلے بجھے دیوے''، ''تصویر کائنات''، ''بڑھتے ہوئے سائے'' اور ''عہد زیاں'' اسی طرز کی نظمیں ہیں۔

تانیثی فکر کے حوالے سے ادا جعفری کی شاعری میں نسوانی جذبات اور نسائی لب ولہجہ بہت نمایاں ہے۔

زہرا نگاہ کے ہاں عورت ضابطوں اور رواج کے خلاف آواز اُٹھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ اساطیری رنگ میں عورت کا مختلف تصور پیش کرتی ہیں۔اپنی نظم ''حوا کی کہانی'' میں انھوں نے عورت کی بے گناہی پیش کی ہے، جس کے بارے میں مختلف مذاہب میں عورت کو ازلی گناہ گار قرار دیا گیا ہے:

تمہیں سیب کھانے کی ترغیب میں نے نہیں دی
وہ گیہوں کا دانہ میری دسترس میں نہیں تھا
میری سانپ سے دوستی بھی نہیں تھی
اگر دوستی تھی کسی سے، وہ تم تھے
اگر کوئی اچھا لگا تھا، وہ تم تھے(۷)

اسی طرح ''نظم'' کے عنوان سے ایک مکالماتی نظم قبل اسلام زندہ گاڑھی جانے والی لڑکیوں کے بارے میں ہے۔اس میں بے چارگی اور مظلومیت کی انتہا ایک عورت کے احساس سے نظر آتی ہے۔ عورت کا اپنے فیصلوں میں خود مختار نہ ہونا اور معاشرے کے آگے بے بس ہونا ان کی نظموں میں خاص طور پر موجود ہے مثلاً ''چیونٹی''، ''یہاں دلدار بیگم دفن ہے''،''کہانی گل زمینہ کی''، ''بڑا معصوم سا ڈر تھا''، ''ایجاب و قبول'' اور ''کوئی تھی'' وغیرہ۔ زہرا نگاہ نے عورت کے مختلف روپ اور رشتوں کو نسائی احساسات کا رنگ دے کر نیا رخ پیش کیا ہے۔

اُردو ادب میں نسوانی تحریک کی علم بردار خاتون کشور ناہید ہیں۔ عورت کی مظلومی کے خلاف آواز اٹھانے والی شاعرہ کے ہاں بغاوت کا احساس بھی نمایاں ہے۔ کشور ناہید کی اُردو نظم نسائی احتجاج کا بلند نعرہ کہلاتی ہے۔ان کے ہاں عورت کا استحصال اور کم مائیگی دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ ان رویوں کو قبول نہیں کرتیں بل کہ ان کے خلاف صدا بلند کرتی ہیں۔ان کے ہاں سماج میں عورت کے مقام و مرتبے کا احساس ملتا ہے۔ان کے ہاں تانیثی شعور اپنی انتہا پر دکھائی دیتا ہے۔ کشور ناہید کی نظمیں تانیثی فکر کی غماز ہیں۔ان کے ہاں عورت کی انفرادیت کی تلاش اور شناخت کا عمل موجود ہے۔ کشور ناہید معاشرے کی رسموں، بندھنوں اور مرد کی حاکمیت کے خلاف احتجاج کرتی ہیں۔ان کے ہاں عورت مضبوط اور خود مختار روپ میں نظر آتی ہے۔ عورت کی ناقدری کا گلہ وہ خدا سے بھی کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ان کی تمام شاعری تانیثی فکر کی غماز ہے۔ کشور ناہید نے تانیثیت کی اس روایت کو باقاعدہ رجحان کی شکل دی۔ عورت کی مظلومیت اور مرد اساس معاشرے میں اس کے استحصال کو کشور ناہید نے بڑی شدت سے اپنی نظموں

میں بیان کیا ہے مثلاً ''آ گہی''، ''نفی''، ''گھاس تو مجھ جیسی ہے''، ''نیلام "Face the Pain"
''اے کاتب تقدیر لکھ!''، ''میں کون ہوں''۔

میں نے اپنے زمانے کے فرعونوں سے التجا کی
کہ ہمارے پیدا ہوتے ہی
دفن کرنے کی رسم کو
شریعت بل کا حصہ بنا دو(۸)

تانیثی فکر کے حوالے سے نسوانی جذبات کا اظہار بھی کشور ناہید کی نظموں کا امتیاز ہے۔ ان کی نظموں ''کنوارپنے کی سوچ''، ''عروسی''، ''مکافات'' اور ''دوسری موت'' میں اس نسوانی شعور اور صنفی بالیدگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے، جو ایک عورت ہی سے منسوب ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں جنس نگاری کا اظہار بھی موجود ہے۔ عورت جب جنس کو اظہار رائے کا ذریعہ بناتی ہے تو کس طرح کے خیالات کا اظہار کرتی ہے، اس کی نمائندگی ان کی نظموں ''شکستِ رنگ''، ''اثبات'' اور ''آتش بازی'' میں خاص طور پر ہے۔(۹)

تانیثی تحریک اور تانیثیت کے فروغ میں ایک اور اہم نام فہمیدہ ریاض (۲۰۱۸-۱۹۴۶ء) کا ہے۔ اُردو نظم میں فہمیدہ ریاض نے اپنے منفرد لب و لہجے سے نئے تانیثی رویوں کو رواج دیا۔ ان سے پہلے اُردو نظم میں نسائی تشخص اتنا پر اعتماد نہ تھا۔ فہمیدہ ریاض نے اپنی نظموں میں تانیثی فکر کے خاص زاویے متعین کیے۔ انھیں بے باک شاعرہ بھی کہا گیا۔ لیکن اپنے جذبات و احساسات کی ادائیگی میں فہمیدہ ریاض نے کسی بھی رکاوٹ کی پرواہ نہیں کی۔ مرد اساس معاشرے کے خلاف ان کی جنگ میں ان کی نظمیں ہراول دستے میں شامل ہیں۔ فہمیدہ ریاض کے ہاں عورت اپنے احساسات سے لے کر وجدان تک استحصال زدہ معاشرے کی عکاس ہے۔ بغاوت کا عنصر ان کے ہاں پوری شدت سے موجود ہے۔

ان کی نظموں ''لوری'' اور 'بدن دریدہ'' میں ایک عورت کی ذہنی اور دلی کیفیات کی کش مکش کو نسائی شعور کے تحت بیان کیا گیا۔ ان نظموں میں عورت کے داخلی اور خارجی جذبات کی بھرپور نمائندگی کی گئی ہے۔ جنسی اور نفسیاتی تانیثی تھیوری کے تناظر میں یہ نظم ملاحظہ ہو:

کولھوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے
سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر

تھا پارۂ دل بھی زیر پستاں
لیکن میرا مول ہے جو ان پر
گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو
پیمائش میری ختم ہو جب
اپنا بھی کوئی عضو ناپو!(۱۰)

فہمیدہ ریاض نے بہ طور عورت جنسی اظہار بھی ایک والہانہ پن سے کیا ہے۔ اُردو نظم میں عورت کے ہاں جنسی جذبات کا اظہار اس شدت اور بلند آہنگی سے پہلی مرتبہ ہوا۔ اس اعتبار سے ان کی نظمیں ''زبانوں کا بوسہ'' اور ''ابد'' خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ''وہ ایک زنِ ناپاک ہے'' نام کی نظم میں وہ حیض کے موضوع کو نظم کرتی ہیں اور اپنے فطری تقاضوں اور جبلتوں کو آواز بناتی ہیں۔ فہمیدہ ریاض بہ طور عورت خود پر نازاں تھیں۔ تانیثی فکر کے حوالے سے ان کے ہاں یہ بات سب سے اہم ہے کہ وہ ان جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہیں جو اس سے پہلے صرف مرد کے اظہار تک محدود تھے۔ ۱۹۶۰ء سے اُردو نظم میں تانیثی فکر کے اس رجحان نے تقویت پکڑی اور ۱۹۷۰ء کے بعد شاعرات کا نیا قافلہ اس میں شامل ہوا۔ اس قافلے میں نمایاں نام پروین شاکر (۱۹۹۴۔ ۱۹۵۲ء) کا ہے۔ پروین شاکر کے ہاں ایک نوعمر اداس لڑکی کے جذبات نظر آتے ہیں۔ انھوں نے تانیثی فکر کے حوالے سے ان محسوسات کی بات کی ہے جن سے ایک لڑکی تنہائی میں گزرتی ہے۔ ان کی نظموں میں عورت کے ہاں ڈر اور جھجک کا عنصر نظر آتا ہے۔ خالص نسائی کیفیات کی عکاسی کرنے والی ان کی نظموں میں ''خواب''، ''مشورہ''، ''گوری کرت سنگھار''، ''تو من بلا شُدی''، ''احتیاط''، ''مگر اس دل کی ویرانی''، ''بسنت بہار کی نرم ہنسی''، ''میں تیتری رہنے میں خوش ہوں'' اور ''انہونی کی ایک دعا'' شامل ہیں۔ ان کی نظموں میں عورت کے ہاں شرم حیا اور جھجک کا انداز نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی مثال ''پہلے پہل'' اور ''اندیشہ ہائے دور دراز'' جیسی نظمیں ہیں۔ ان کے ہاں عورت محبت کا دوسرا نام ہے اور وہ محبوب سے غائبانہ وفا کرتی ہے۔ پروین شاکر کلاسیکی اُردو نظم کے اس روایتی تصور کو رد کرتی ہیں جس میں عورت بے وفا ہے۔ پروین شاکر کے ہاں عورت خیالی محبت بھی کرتی ہے جہاں محبوب کا ماورائی تصور موجود ہے ''کنگن بیلے کا''، ''یہ میرے ہاتھ کی گرمی''، ''آج کی شب تو کسی طور گزر جائے گی''، ''ہنی مون''، ''وہ باغ میں میرا

منتظر تھا''، ''اعتراف''، ''گماں''، ''دھیان''، ''اتنا معلوم ہے''، ''خلش''، ''خوشبو کی زبان''، ''صرف ایک لڑکی'' اور ''نہ میں نے چاند دیکھا'' اسی طرح کی نظمیں ہیں۔

کچّی عمروں سے ہی خواب کیوں دیکھنا چاہتی ہیں
(خواب کی حکمرانی میں کتنا تسلسل رہا ہے!)(۱۱)

پروین شاکر کے ہاں جنسی جذبات کا اظہار بھی ملتا ہے۔ جیسے ان کی نظمیں ''ایکٹیسی'' اور ''آج کی رات'' ان کے ہاں عورت کا جدید تصور ملتا ہے۔ اپنی نظموں ''اسٹینو گرافر'' اور ''ورکنگ وومن'' میں وہ دور جدید میں عورت کے وجود کا احساس دلاتے ہوئے معاشرے کے استحصالی رویے کو نشان زد کرتی ہیں۔ نظم ''بشیرے کی گھر والی'' میں انھوں نے ایک عورت کے ساتھ امتیازی سلوک کی نشان دہی بہت خوب صورت انداز میں کی ہے۔ اس نظم میں لڑکیوں کی چھوٹی عمر میں شادی کرانے کے خلاف آواز بلند کرتی ہے:

تجھ پہ جوانی آئی تو
تیرے باپ کی نفرت تجھ سے اور بڑھی
تیرے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے پر
ایسی کڑی نظر رکھی
سولھواں لگتے ہی
ایک مرد نے اپنے من کا بوجھ
دوسرے مرد کے تن پہ اُتار دیا(۱۲)

اسی طرح شبنم شکیل (۲۰۱۳۔۱۹۴۲ء) کے ہاں نظموں میں تانیثی فکر کے بنیادی عناصر نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں عورت کا انفرادی تشخص اور تعین ذات دکھائی دیتا ہے۔ عورت کے دل میں چھپا ہوا ان جانا خوف اور محرومی ان کی نظموں میں عیاں ہے۔

تانیثی فکر کے حوالے سے ان کی اہم نظموں میں ''موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے والی''، ''ورثہ''، ''بانجھ پن کی بددعا''، ''منکہ اصغری خانم''، ''ایک دفعہ کا ذکر ہے''، شامل ہیں۔

بس تھوڑی دیر ہی میں
جنم دے چکے گی یہ

لتھڑا ہوا شکوک میں
بے اعتبار دِن
اور اُس کو دیکھ کر
آئے گی اس کے لب پہ فقط ایک بددُعا
ساقط ہو اگلی بار حمل اُس کا اے خُدا(۱۳)

سارا شگفتہ (۱۹۸۴ء۔ ۱۹۵۴ء) اپنے عورت ہونے کے احساس سے خائف ہیں۔ ان کے ہاں عورت کا استحصالی وجود اور کرب شدت سے موجود ہے۔ ان کی نظموں میں بے قراری اور بے اطمینانی کی فضا سانس لیتی ہے۔ عورت ہونا بہ ذات خود ان کی نظموں کا گناہ دکھائی دیتا ہے مثلاً ''شیلی بیٹی کے نام''، ''ہونٹ میرے گداگر''، ''رات کی دو آنکھیں''، ''عورت اور نمک''، ''زندگی کی ''آنکھیں سانس لے رہی ہیں''، اور ''کانٹے پہ کوئی موسم نہیں آتا'' جیسی نظمیں تانیثی فکر کے حوالے سے نمایاں ہیں۔ ذیل کے مصرعوں سے سارا شگفتہ کی تانیثی فکر واضح ہو جاتی ہے:

وفاداری کی گلیوں میں کتنا کم
اور کتنا زیادہ مشہور ہے (قرض)

مردے سمجھتے ہیں
عورت سے اچھی کوئی قبر نہیں ہوتی (۱۴)

حمیدہ شاہین کے ہاں بھی تانیثی فکر کے حوالے سے جدید شعور نظر آتا ہے۔ ان کی نظموں میں اساطیری فضا نظر آتی ہے جہاں عورت اپنے ہونے کا جواز تلاش کرتی ہے۔ عورت کے رومانوی احساسات اور جذبات کی نمائندگی کرتی نظمیں حمیدہ شاہین کے فن کی عکاس ہیں۔ اس پدر سری معاشرے میں عورت کا داخلی دکھ سکھ سننے والا کوئی نہیں اور وہ اپنے داخلی احساسات کا اظہار دیواروں سے کرتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ دیواریں ان کی ہم ذات ہیں ان کی نظموں کے مجموعہ ''زندہ ہوں'' کی ایک نظم ملاحظہ ہو:

جس نے بچپن سے ہر دوڑ میں
دیواریں ہی جیتی ہوں
اپنے دل کے سارے دکھ سکھ
دیواروں سے بانٹے ہوں

جس کی آنکھیں جلتی دیواروں سے ٹھنڈک پاتی ہوں
دیواریں جس کی بانہوں میں لے کر نغمے گاتی ہوں
جب وہ روئے
اُس کے آنسو دیواروں پر روشن ہوں
ہنسنا چاہے تو دیواریں اس سے پہلے ہنستی ہوں

جس کے تن من کی سب چوٹیں
دیواریں سہ جاتی ہوں
جو اُس کو کہنا نہیں آتا، دیواریں کہہ جاتی ہوں(۱۵)

فاطمہ حسن کے ہاں تانیثی حوالے سے عورت کا شعور ذات موجود ہے۔اس کو اپنے ہونے کا احساس ہے۔ نسوانی جذبات کی حامل عورت ان کی نظموں میں اپنی اہمیت اور وجود سے آشنا ہے جیسے ''گھر''، ''کومل لڑکی''، ''میری بیٹی چلنا سیکھ گئی ہے'' لیکن کہیں وہ اپنے وجود کی شناخت کا مطالبہ بھی کرتی ہے اور استحصالی رویوں سے زخمی ہوتی ہے مثلاً ''زخمی انگلیوں سے ایک نظم''، ''انکار''، ''تم مجھے کہیں رکھ کر بھول گئے ہو'' اور ''میں ہوا کی صورت زندہ رہ سکتی ہوں'' جیسی نظمیں عورت کے انفرادی تشخص کی تلاش ہیں۔

اری او کومل لڑکی
نرم نرم لہجے میں باتیں کرکے
سب کو اپنا کرنا بھی ایک فن ہے
فن کے اس مندر میں
دیوی بن کر چُپ مَت ہو جا
بول وہ سچّے لفظ(۱۶)

عذرا عباس نئے دور کی تانیثی فکر میں اپنا الگ حوالہ رکھتی ہیں۔ان کی نظموں میں عورت ہی سب سے نمایاں موضوع ہے۔عذرا عباس خاص نظم کی شاعرہ ہیں۔نثری نظموں کے حوالے سے نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ان کی تانیثی فکر کی غماز نظموں میں ''بیٹی کے نام''، ''آخری رسومات کے دوران''،

''جیسے میں تنہا ہوں''، ''میز پر رکھے ہاتھ''، ''یہ صدی''، ''جب سارا دن گزر جاتا ہے''، ''ایک چپ لگی ہے''، ''حرامزادی''، ''جیت کس کی ہو گی؟''، شامل ہیں۔ان کے علاوہ ''بازی گر''، ''فی میل بل فائٹر''، ''ہاتھ کھول دیے جائیں'' اور ''تم ہنستے کیوں ہو'' جیسی نظمیں اپنی نوعیت میں انفرادیت کی حامل ہیں۔ عورت کی زندگی کے حاصل اور لاحاصل کی کہانی ان کی نظموں کا بنیادی فلسفہ ہے۔

وہ میری جیسی حالت میں
اس کے بچے اس کے بے ڈول جسم کے
ارد گرد گھوم رہے تھے
اور وہ مسکرا رہی تھی(۱۷)

دور جدید کی شاعرات میں تانیثی فکر کے حوالے سے اُردو نظم کا اہم نام ماہ طلعت زاہدی (۲۰۲۰۔۱۹۵۳ء) کا ہے۔ نسائی شعور اور اسی حوالے سے تعین ذات کی نشان دہی کرنے والی اس شاعرہ کے ہاں عورت کے مختلف روپ اور رویے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں یہ عورت مختلف کرداروں، تمثیلوں اور اساطیری حوالوں سے موجود ہے تو کہیں وجود نسواں اور آزادی نسواں کے حوالے سے مختلف سوالات کے روپ میں کھڑی ہوئی ہے۔ ''میں شکنتلا نہیں ہوں''، ''بے چاری ماں''، ''زلیخا کی پریشانی''، ''ایک شاعرہ کا گھر'' اور ''کبھی کبھی'' جیسی نظموں میں ایک عورت کچھ نہ کہہ سکنے کے احساس سے دوچار ہے۔ ''میں کون سی رت میں زندہ ہوں'' میں عورت اپنے ہونے کی گواہی مانگتی ہے۔ تانیثی فکر کے حوالے سے نمایاں نظموں میں ''وار دات تازہ''، ''آمنہ عدت کے دن کیسے گزارے گی''، ''میں نہیں جاگیر''، ''ایک عورت کی زندگی''، ''چلو اب جسم سے آگے''، ''عورت کا کردار''، ''آزاد ہو تم''، ''بے حسی'' اور ''شناخت'' شامل ہیں۔ان کی سہ حرفی نظموں میں بھی تانیثی فکر کے حوالے موجود ہیں۔ اس اعتبار سے خاص طور پر ان کے مجموعے ''میں کیسے مسکراتی ہوں'' میں شامل مندرجہ بالا نظموں کے ساتھ ۵۲ نظمیں ''آزادی نسواں کے نام'' کے عنوان کے تحت شامل ہیں۔ان میں تانیثی شعور کی عکاسی حقیقی رنگوں میں نظر آتی ہے۔

میں شام ازل کی تنہائی
انجان کسک مرے تن من میں
اور خوف کے سائے دُور اُفق تک لرزاں ہیں

میں کون سی رُت میں زندہ ہوں(۱۸)

اردو ادب جس معاشرے میں پروان چڑھا ہے وہاں عورت کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ادب میں عورت کی شناخت کا مرحلہ بیسویں صدی میں سامنے آتا ہے جس میں عورت معاشرے کی تخلیقی و سماجی حرکات کا مطالعہ حاشیے پر ہی کرتی اور غائب ہوتی نظر آتی تھی اور اگر کوئی کردار ادا کرنے میں عورت کام یاب ہو بھی جاتی تو معاشرے کی مقتدر طاقتیں اسے شناخت دینے سے انکاری ہوتی ہیں۔ تانیثیت ادب کے اندر تانیثی تنقید اور تانیثی تھیوری کا ماحصل ہے جو مجموعی طور پر ان سب رجحانات کا ضامن ہے جو عورت کے مطالبات کے ضمن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا معروضات کا حاصل اور تانیثی تحریک کا اصل مقصد مساوی حقوق کی وکالت کرنا اور حاشیہ بردار خواتین کو انصاف دلانا ہے۔ نظم نگار شاعرات نے اپنی نظموں میں محض اپنی ذات کو ہی اجاگر نہیں کیا بل کہ عالم گیریت کے اس دور میں وقوع پذیر سماجی، معاشی، ثقافتی تبدیلیوں کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی اردو نظم میں جو فکری، فنی اور اسلوبیاتی سطح پر تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں اُن کو معاصر نظم نگار شاعرات کے ہاں پائے جانے والی فکر اور شعور سے ان تبدیلیوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) عظمیٰ فرمان، اردو ادب میں نسائی تنقید ''روایت، مسائل و مباحث'' (کراچی: سعید پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء) ص ۱۱۱

(۲) محولہ بالا، ص ۱۱

(۳) فاطمہ حسن (مرتبہ) تانیثیت اور ہم، (کراچی: وعدہ کتاب گھر جون ۲۰۰۵ء)، ص ۱۵۵

(۴) محترمہ ز۔خ۔ش، فردوس تخیل، (لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۴۱ء)، ص ۱۱۱

(۵) ایضاً، ص ۶۱۱

(۶) ادا جعفری، شہر درد، (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۸۲ء)، ص ۹۴، ۵۰

(۷) زہرا نگاہ، فراق، (کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۹ء)، ص ۶۲

(۸) کشور ناہید، دشت قیس میں لیلیٰ (کلیات)، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۰۵۸

(۹) ایضاً، ص ۲۱۹

(۱۰) فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۳۱

(۱۱) پروین شاکر، ماہ تمام (کلیات)، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۰

(۱۲) ایضاً، ص ۱۵۳

(۱۳) شبنم شکیل، اضطراب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۰

(۱۴) سارا شگفتہ، آنکھیں، (کراچی: آفسٹ پریس، ۱۹۵۸ء)، ص ۴۰

(۱۵) حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، (لاہور: ملٹی میڈیا آفیسز، ۲۰۱۰ء) ص ۸۳

(۱۶) فاطمہ حسن، دستک سے در کا فاصلہ، (کراچی: فرید پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۷

(۱۷) عذرا عباس، نیند کی مسافتیں، (کراچی: کلاسک پبلشرز، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۱

(۱۸) ماہ طلعت زاہدی، روپ ہزار، (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۰۲ء)، ص ۵۴

❖❖❖